OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com



# علامہ محمد اقبال کا تصور خودی اور مسلمانان برصغیر: ایک تحقیقی جائزہ

# Allama Muhammad Iqbal's Philosophical Concept of Self *(Khudī)* and Muslims of India: A Research Study

**Dr. Waseem Abbas Gul**
*Lecturer Urdu, Ghazi University Dera Ghazi Khan*
**Tehniat Rubab**
*PhD Scholar Urdu, University of Modern Languages, Islamabad*
**Hina Nasim**
*PhD Scholar Urdu Ghazi University Dera Ghazi Khan*

## Abstract

The great Iqbal is one of the most prominent Muslim philosophers of the twentieth century and his thoughts are the guideline for the Muslims of India not only but the entire world. Among his different concept of the society his concept the self is also pushed the Muslims towards glory. He gave lesson of self and called it a key of success for the Muslims of India. Iqbal advises the Muslim world to be steadfast instead of getting into trouble and forbids them from accepting slavery. In his view, the existence of the self is more important for human action. While in this paper it has tried to highlights the thematic concept of *Khudī* (self).

**Keywords**: Iqbal, Philosophy, Muslims, India, Self, *Israr-e-Khudī*

## تعارف

اقبال کو ہندوستان کے قابل ذکر مسلم فلسفیوں میں سے ایک کے طور پر جانا جاتا ہے اور انہوں نے بنیادی طور پر اقبال کے نظریہ نفس کو قریب سے دیکھا۔ اور عالم اسلام کی بیداری کے حقیقی وارث اقبال ہیں۔ یہ تصور سب سے پہلے انہوں نے اپنی کتاب اسرار خودی میں پیش کیا جو 1915 میں شائع ہوئی تھی۔ لفظ نفس کا تعلق خود سے ہے[1] اور اس کا مطلب فرد کی ذاتی اصلاح ہے۔ اقبال کو مسلمان قوم کا ترجمان اور ایک مفکر کی حیثیت سے یہ منفرد مقام حاصل ہے کہ اس نے بطور شاعر ہی نہیں بلکہ ایک مصلح کی حیثیت سے اس قوم میں جذبہ حریت کو اجاگر کرنے کیلئے قوم میں غیرت و حمیت کو بیدار کرنے میں کلیدی کردار ادا

CC BY

کیا۔ اس مقصد کی تکمیل کیلئے اقبال نے خود داری کو قوم کا بنیادی مسئلہ قرار دیا۔ اور تعمیر خودی کو فرض اولین قرار دیا۔ دور غلامی میں اقبال نے خودی کے تصور کو بہت اہم سمجھا جیسا کہ انہوں نے اپنی مختلف نظموں میں اس کا ذکر کیا ہے اور ان کا ایک شعر درج ذیل ہے۔ گر ہنر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر وائے صورت گری و شاعری و نامے و سرود[2] اگر اقبال کے اس خیال کو اس مادے سے تقسیم کیا جائے جو اس طرح کی مصوری، شاعری اور موسیقی کو پروان چڑھاتا ہے تو یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ اس نے مسلمانوں کو بتایا کہ حقیقت میں مجسم زندگی کی انا کی حفاظت کیسے کی جائے اور اگر اس پر توجہ نہ دی گئی تو یہ اپنی ذات کے ساتھ ایک بہت بڑا دھوکہ ہو سکتا ہے۔ اقبال نے انسان کی انا کے لیے تصور خودی کا استعمال اسے معاشرتی آزادی اور اندرونی طاقت کی تحریک دینے کے لیے کیا۔ [3] اقبال ایک آفاقی شاعر ہے اسکی فکر میں خودی کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس کے خیال میں خودی کی حیثیت ایک مرکز و محور کی ہے۔ اقبال اسلامی دنیا کا واحد شاعر ہے جو خودی پر زور دیتا ہے۔ اور عالم اسلام میں خودی کی کامل بیداری کا خواہاں ہے۔ اقبال کی سیاسی بصیرت ان کو بیداری خودی کی تحریک میں ممتاز کرتی ہے۔ اسی تناظر میں اقبال بطور سیاسی مفکر واضح کرتا ہے کہ خودی کا وجود بقاء کیلئے کتنا اہم ہے۔ اقبال کے خیال میں مذہب کی پیروی ہی خودی کی تشکیل کا اولین مرحلہ ہے اس سے قوت ارادہ پختہ ہونے میں مدد ملتی ہے۔ اسی طرح اقبال نے 1910 میں یاداشتیں لکھیں اور ان میں ضبط نفس کو خودی کی حیات قرار دیا۔ اقبال کے خیال میں خودی کو ترقی دینے کیلئے ضروری ہے کہ نیابت الٰہی کو ترجیح دی جائے۔ اقبال نے واضح کیا کہ ہر ذی شعور کیلئے لازم ہے کہ وہ استعداد کے مطابق کوئی مقصد حیات سامنے رکھے اور اس کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔ حوصلہ مندی اور جواں مردی کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور مرشد حقیقی کی مدد سے آگے بڑھنا ممکن ہے اس کے خیال عظمت انسانی ضروری ہے اور انسانوں کا احساس خودی کے تصور کو مضبوط بناتا ہے۔ اقبال نے فلسفہ خودی پہلی بار 1915 میں تب پیش کیا جب ان کی کتاب اسرار خودی پبلش ہوئی۔ اس میں اقبال نے خودی کی وضاحت فرمائی اور اس کے بعد وہ خودی کی تشریح کئی جہتوں کے ساتھ کرتے رہے۔ اقبال نے لفظ خودی کو فارسی کے معانی تکبر و خود بینی کی بجائے اس لفظ خودی کو اصطلاحی معنوں میں استعمال کرتے ہوئے اس کو شخصیت, ذات عزت نفس جیسے معنی کے تناظر میں بیان کیا۔ اقبال نے اسرار خودی کے دیباچہ میں لکھا۔ کہ خودی سے مراد احساس نفس و وجدانِ ذات ہے۔ اقبال کے خیال میں خودی وہ ہنر ہے جس کے بغیر شخصیت کی تعمیر ممکن نہیں۔ اقبال کے مطابق خودی وہ وحدت وجدانی شعور و روشن نقطہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات معتبر ہوتے ہیں۔ خودی وہ قطرہ بے مایہ نہیں جو دریا میں فنا ہو بلکہ وہ قطرہ ہے جو دریا میں جا کر گوہر بنے۔ ''اقبال کی خودی :صوفیوں کی بے خودی'' میں اقبال سے متعلق ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں: ''اقبال کی خودی بنیادی طور پر خود حیات کا دوسرا نام ہے ۔ خودی عشق کے مترادف تصور حیات ہے۔ اور اُس خودی میں ذوق تسخیر کائنات ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جو خود آگاہی ہے۔ خودی عبادت ہے خودی ذوق استیلاء ہے خودی ذوق طلب ہے اور یہ مترادف ایمان و عقیدہ ہے۔ خودی ذوق سرچشمہ جدت و ندرت ہے۔ خودی سرچشمہ یقین و سرچشمہ ذوق تخلیق و تعمیر ہے۔ خودی شناسائی ہے مقصد حیات سے آگاہی ہے ''[4] خودی لگن سے عمل پر ابھارنے کا ذریعہ ہے۔ یہ ذات کے ساتھ ملت کو بلندی و سرفرازی سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ قوموں کی تقدیر بدلنے کا سبب ہے۔ علامہ اقبال نے قوم کو بنیادی طور پر خود داری کی تلقین کی اور کہا مسلمان اپنے اندر جرات و بہادری پیدا کر کے خود کو بدل سکتا ہے۔ اپنے اوپر اعتماد اور جہد مسلسل ہے نامور بنا سکتی ہے:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے، ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی [5]

اقبال کا خیال ہے کہ خوف اور حرص وہوس خودی کو کمزور کرتے ہیں جس کی بدولت فرد نفسیاتی طور پر کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح عزت نفس کا گرنا بھی خودی کی موت ہے جیسا کہ اقبال گداگری کی مذمت کرتا ہے اور گداگری کو خودی کی موت قرار دیتا ہے

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آراء تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا تو غریب
امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غرباء کے دم سے[6]

خودی کا تصور اقبال کی شاعری کا بنیادی تصور ہے علامہ کا فلسفہ انسان کو بلندیوں اور عظمتوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے، اسی خودی کو بیدار کرنے کے لئے علامہ اقبال نے "اسرار خودی"، "رموز بے خودی" اور "جاوید نامہ" لکھ کر خودی کے تصور کو بڑے ہی واضح اور بلیغ انداز میں بیا اگر احاطہ کیا جائے تو وہ ہم کو ایک فرد واحد سے لے کر پوری ملت کی بابت نظر آتے ہیں۔ ان کا انداز تکلم اور افکار جداگانہ اور انمول ہے۔ علامہ اقبال ایک سوچ، فکر اور ایک نظریہ خودی کا نام ہے۔ خودی وہ واحد عنصر ہے جو اقبال کے کلام کا خاصہ ہے۔ اگر ہم اقبال کی شاعری کو ایک لفظ میں بیان کریں تو میرے نزدیک خودی وہ لفظ سے جو سارے رموز کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ خودی ہی وہ نقطہ ہے جہاں سے کائنات وجود میں آیا۔ خودی ذوق تسخیر کا نام ہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔ خودی ذوق طلب ہے۔ خودی ایمان کے مترادف ہے۔ خودی سرچشمہ عبدت وندرت ہے۔ خودی یقین کی گہرائی ہے۔ خودی سوز حیات کا سرچشمہ ہے اور ذوق تخلیق کا ماخذ ہے خودی فارسی زبان کا لفظ ہے جو لغوی اعتبار سے درج ذیل معانی رکھتا ہے) انانیت ۲) خود پرستی ۳) خود مختاری ۴) خود سری ۵) خود رائی ۲۲) خود غرضی ۷) نخوت، تکبر ۸) اپنے اوپر بھرپور بھروسہ کرتے ہوئے سب کچھ حاصل کر لینا خودی کا لفظ اقبال کے پیغام یا فلسفہ حیات میں تکبر وغرور یا اردو فارسی کے مروجہ معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ خودی اقبال کے نزدیک نام ہے احساس غیرت مندی کا، جلد بہ خوداری کا اپنی ذات و صفات کا پاس واحساس کا، اپنی انا کو جراحت وشکست سے محفوظ رکھنے کا، حرکت وتوانائی کو زندگی کا ضامن سمجھنے کا، مظاہرات فطرت سے برسرپیکار رہنے کا اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کی بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اقبال کے نقطہ نظر سے "خودی" زندگی کا آغاز، وسط اور انجام کبھی کچھ ہے فرد وملت کی ترقی وتنزل، خودی کی ترقی وزوال پر منحصر ہے۔ خودی کا تحفظ، زندگی کا تحفظ اور خودی کا استحکام، زندگی کا استحکام ہے۔ ازل سے ابد تک خودی ہی کی کارفرمائی ہے۔ اس کی کامرانیاں اور کارکشائیاں بے شمار اور اس کی وسعتیں اور بلندیاں بے کنار ہیں۔ اقبال نے ان کا ذکر اپنے کلام میں جگہ جگہ نئے انداز میں کیا ہے خودی کیا ہے؟ محض ایک لفظ، ایک فکر یا فقط ہماری ذات؟ خودی وہ مرکزی نقطہ ہے جہاں سے حیات پھوٹتی ہے اور کہکشاں کی قوض وقضا سے کائنات روشن ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک نیوٹرون کی حیثیت ہے اسی طرح انسان خودی کا مظہر ہے۔ خود کو جاننا، پہچاننا اور اپنے وجود کے ہونے اور نا ہونے کی اہمیت کا ادراک کرنا خودی ہے۔ فرد واحد ہونے کی حیثیت سے اپنی ذات کا ادراک اور اس میں چھپے رموز کو جاننا اور اپنے تخلیق کیے جانے کا مقصد جاننا خودی ہے۔ اپنی اصل سے روشناس ہونا خودی ہے۔ خودی وہ امر ہے جو رب تعالی نے انسانوں کو عطا کی تا کہ وہ سوچے اور غور وفکر کرے اور اپنی اصل کو تلاش کرے۔ اقبال جس دور میں پیدا ہوئے وہ مسلمانوں کے لئے آزمائش کا دور تھا۔ مغل سلطنت غلامی میں جکڑی جا چکی تھی اور مسلمان شرمندگی اور کشمکش میں مبتلا تھے۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر کا مسلمان ذہنی ایذا کا شکار تھا۔ اپنی رفعت ومرتبے کے

چھن جانے کے بعد وہ بھلا بیٹھا تھا کہ بحیثیت مسلمان اس کی عظمت کیا ہے اور اس کا دین اس کو کیسا دیکھنا چاہتی ہے۔ نتیجتاً مسلمانوں میں انتشار اور تفریق نے ان کو کئی طبقوں میں بانٹ دیا۔ اقبال نے مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کی سوچ کو ایک جگہ مرکوز کرنے کے لئے خودی کا فلسفہ عیاں کیا اور مسلمانوں کو یاد کرایا کہ وہ ایسے دین کے ماننے والے ہیں جہاں غلامی ان کی اصل اور خودداری پر ضرب ہے۔ یہ مسلمان کی غیرت پر وار ہے کی وہ غیر اللہ کے سامنے جھکے یا اپنی غیرت کا سودا کرے۔ اقبال نے خودی کو موضوع بنا کر مسلمان کو جھنجوڑا اور اپنے دین کی طرف لوٹ جانے کو ترغیب دی۔ اپنی انا اور شناخت کی حفاظت کا درس دیا اور اپنی صلاحیتوں کو برلانے کی تلقین کی۔ اقبال نے خودی کو بطور نظریہ پیش کیا۔ زندگی کے ہر پہلو میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ہر عمر کے فرد کے لیے اس کو لازمی قرار دیا۔ خاص کر کہ نوجوان طبقہ جس کو آنے والے نسل کی ڈور سنبھالنی تھی۔ اقبال نے بار ہا اپنے کلام سے یاد دہانی کرائی کہ مسلمانوں سے چھن جانے والی طاقت اور حرمت اس کی ذات سے منسلک ہے اور ضرورت صرف اس کی پہچان کرنے کی ہے۔ اس کو صحیح سمت میں استعمال کرنے کی ہے اقبال نے مسلمانوں کی ہمت کو جلا دینے کے لئے ہر دفعہ ان کو ان کے انسان اور اشرف المخلوقات ہونے کی یاد دہانی کرائی اور قرآن مجید کو ان کا حقیقی رہنما گردانہ۔ انہوں نے صرف اس بات پر زور دیا کہ انسان کو حکمرانی کے لئے پیدا کیا گیا۔ یہ زمین تو کچھ بھی نہیں۔ خودی سے روشناس ہونے پر اس نے کائنات میں راج کرنا ہے۔ نظام خداوندی میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ اقبال نے ہر اس چیز کو اپنے خیال آ افکار و نظریات میں شامل کیا جس سے آج کا مسلمان بیدار ہو سکے اور اللہ کے دین کو اور اپنی شناخت کو جان سکے۔ اقبال بال جبریل کی نظم ساقی نامہ میں کہتے ہیں:

خودی کیا ہے راز دوران حیات
خودی کیا ہے بیداری کائنات
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے[7]

کہیں یہ ظاہر کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اصل راز خودی ہے توحید، خودی کی تلوار کو آب دار بناتی ہے اور خودی، توحید کی محافظ ہے۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ[8]

اقبال ضربِ کلیم میں کہتے ہیں کہ انسان کی ساری کامیابیوں کا انحصار خودی کی پرورش و تربیت پر ہے۔ قوت اور تربیت یافتہ خودی ہی کی بدولت انسان نے حق و باطل کی جنگ میں فتح پائی ہے۔ خودی زندہ اور پائندہ ہو تو فقر میں شہنشاہی کی شان پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تصرف میں آجاتا ہے۔ اس حوالے سے نظم "خودی کی زندگی" کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خودی ہو زندہ تو ہے فقر میں شہنشاہی

ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر[9]

ڈاکٹر افتخار صدیقی "فروغ اقبال" میں اقبال کے نظریہ خودی کے بارے میں رقمطراز ہیں: "نظریہ خودی، حضرت علامہ اقبال کی فکر کا موضوع بنا رہا۔ جس کے تمام پہلوئوں پر انہوں نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اقبال نے ابتداء ہی میں اس بات کو واضح کر دیا کہ خودی سے ان کی مراد غرور و نخوت ہرگز نہیں بلکہ اس سے عرفان نفس اور خود شناسی چنانچہ اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں لکھتے ہیں، ہاں لفظ "خودی" کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی " غرور " استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے اس کا مفہوم محض احساس نفس یا تعین ذات ہے۔ تقریبا یہی مفہوم اقبال کے اس شعر میں ادا ہوا ہے۔"[10]

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں[11]

اقبال کے تصور خودی میں صوفیانہ فکر کے بیشتر عناصر ملتے ہیں لیکن صوفیوں کی خودی کا تصور روحانی ہوتا ہے ان کی روحانی انا اس درجہ مقام ہے کہ وہ مادی خودی کو وجود مطلق کا جز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اقبال خودی کے مادی لوازم کو نظر انداز نہیں کرتے اور اس مادی خودی کو بھی برحق اگرچہ تغیر پزیر جانتے ہیں، صوفی وجود اور خودی کو تسلیم کر لینے کے بعد فنائے خودی میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔ اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس خودی کو بے خودی میں بدل دے تاکہ وہ اپنی اصل سے مل جائے۔ صوفی اسے ترک خودی یا نفی خود کے نام سے یاد کرتے ہیں جبکہ اقبال عارضی خودی کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں اور بے خودی تک پہنچنے کے لیے خودی کو ہی ذرایہ اور وسیلہ بناتے ہیں۔

اقبال کے تصور خودی کے ماخذ:

اقبال کے تصور خودی کا ماخذ ڈھونڈنے کے لیے نقادوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔ اس سلسلے میں نطشے، برگساں، ہیگل اور لائڈ ماتھر وغیرہ کا نام لیا گیا۔ جبکہ خود اقبال نے اس قسم کے استفادے سے انکار کیا۔ خلیفہ عبدالحکیم کے خیال میں اقبال نطشے سے نہیں گوئٹے سے متاثر تھے۔ کیونکہ نطشے تو منکر خدا ہے۔ اقبال کو نطشے کی تعلیم کا وہی پہلو پسند ہے جو اسلام کی تعلیم کا ایک امتیازی عنصر ہے۔ اگرچہ "اسرار خودی کے اکثر اجزاء فلسفہ مغرب سے ماخوذ ہیں اور یہاں مسلمان فلسفیوں کے خیالات بہت کم ہیں لیکن اسلامی تصوف میں عشق کا نظریہ اقبال نے مولانا روم سے لیا ہے۔ اور اقبال کی شاعری کا انقلاب انگیز پیغام در اصل رومی کے فیض کا نتیجہ ہے۔ اس بارے میں عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ، خودی کا تصور ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کی اساس ہے اور اسی پر ان تمام فلسفیانہ خیالات کی بنیاد ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ یورپین فلسفہ بالخصوص نطشے سے ماخوذ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تخیل کو ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم سے اخذ کیا ہے۔[12] بقول خلیفہ عبدالحکیم، رومی انفرادی بقاء کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ خدا میں انسان اس طرح محو نہیں ہو جاتا جس طرح کہ قطرہ سمندر میں محو ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ سورج کی روشنی میں چراغ جل رہا ہے جیسے لوہا آگ میں پڑ کر آگ ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی انفرادیت باقی رہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ خودی کے لیے بھی یہی نظریہ مناسب تھا اس لیے انہوں نے اس کو مولانا روم سے اخذ کیا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ان کے فلسفہ خودی کے تمام اساسی مضامین در حقیقت قرآن سے ماخوذ ہیں۔[13]

**خودی اور فطرت:**

اقبال کے نزدیک خودی اپنی تکمیل اور استحکام کے لیے غیر خودی سے ٹکراتی ہے جس نسبت سے کوئی شے خودی میں مستحکم اور غیر خود پر غالب ہے اسی نسبت سے اس کا درجہ مدارج حیات میں نفیس ہوتا ہے۔ مخلوقات میں انسان اس لیے برتر ہے کہ اس کی ذات میں خودی ہے۔ اور اس خودی سے فطرت انسانی مشاہدہ کی پابند ہے۔ اقبال کہتا ہے کہ خودی کی منزل زمان و مکاں کی تسخیر پر ختم نہیں ہوتی شاعر کا چشم تخیل انسان کی جدوجہد و عمل کے لیے نئے نئے میدان دکھاتا ہے۔

خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے تو جہاں سے نہیں [14]

**خودی اور عشق:**

خودی کو آگے بڑھانے میں ایک چیز بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اقبال نے اسے بھی آرزو اور عشق کا نام دیا ہے۔ خودی میں عشق سب سے بڑا محرک ثابت ہوتا ہے

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بدم [15]

اقبال نے عشق کے کئی مدارج بیان کیے ہیں:

عشق فقیہ حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام [16]

چنانچہ کہیں عشق جمالی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کہیں جلالی رنگ میں جھلک دکھاتا ہے۔

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات [17]

ڈاکٹر عابد حسین "خودی اور عشق کا راستہ واضح کرتے ہوئے اپنے مضمون 'اقبال کا تصور خودی میں لکھتے ہیں، اس راہ میں ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ رہنما عشق ہے عشق اس مرد کامل کی محبت کو کہتے ہیں جو معرفت نفس کے مدارج سے گزر کر خودی کی معراج پر پہنچ چکا ہے۔ [18]

مرد خدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام [19]

**خودی اور فقر**

طلب و ہدایت کے لیے کسی مرد کامل کے آگے سر نیاز جھکانا خودی کو مستحکم کرتا ہے۔ لیکن مال و دولت و منصب کے لیے دست نگر ہونا اس ضعیف بناتا ہے۔ گدائی صرف اسی کا نام نہیں کہ مفلس دولت مند کا طفیلی بن جائے بلکہ دولت جمع کرنے کا ہر وہ طریقہ جس میں انسان محنت نہ کرے بلکہ دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھائے اقبال کے نزدیک گداگری ہے۔ حتی کہ بادشاہ جو غریبوں کی کمائی پر بسر کرتا ہے سوال و گداگری کا مجرم ہے:

مے کدے میں ایک دن ایک مرد زیرک نے کہا

ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے نوا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے مرد غریب و بے نوا [20]

گدائی اور فقر میں زمین و آسمان کا فرق ہے گدائی مال کی حاجت میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے جبکہ فقر مادی لذتوں سے بے نیاز کائنات کی تسخیر کرنا، فطرت پر حکمرانی اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے نجات دلانا ہے:

ایک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری [21]

**تربیت خودی کے تین مراحل**

خودی سے تعمیری کام لینے کے لیے اس کی تربیت ضروری ہے بے قید و بے ترتیب خودی کی مثال شیطان ہے۔ اقبال بھی گوئٹے کی طرح اسے تخلیق کی عظیم الشان قوت سمجھتے ہیں جو صراط مستقیم سے بھٹک گئی ہے۔ خودی کی منازل کے علاوہ تربیت خودی کے مراحل انتہائی اہم ہیں یہ مراحل تین ہیں۔

**اطاعت الٰہی:** اقبال کے نزدیک خودی کا پہلا درجہ اطاعت ہے یعنی کہ اللہ کے قانون حیات کی پابندی کرنا۔

**ضبط نفس:** دوسرا درجہ ضبط نفس سے انسان نفس کو جس کی سرکشی کی کوئی حد نہیں قابو میں لائے۔

**نیابت الٰہی:** ان دونوں مدارج سے گزرنے کے بعد انسان اس درجے پر فائز ہو جائے گا۔ جسے انسانیت کا اوج کمال سمجھنا چاہیے۔ یہ نیابت الٰہی کا درجہ ارتقائے خودی کا بلند ترین نصب العین ہے۔

**خودی اور خدا کا تعلق**

طالب خودی "مرد خدا" کی محبت اس قدر برتر اور سرشار ہوتی ہے اور کیف و سرور کی وجہ سے خدا کی اتنی محبت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خودی کے کل مراحل طے کرنے کے باوجود اپنے آپ کو ناتمام محسوس کرتا ہے اسی کشش کا نام عشق حقیقی ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی میں بندہ مومن کی فضیلت، اسکی استعداد اور اعلی صلاحیتوں پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ بندہ مومن کے اجزا ترکیبی میں:

۱۔ اگر خودی کا عنصر شامل نہ ہو تو وہ بندہ مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔
۲۔ فلسفہ خودی کا دوسرا بڑا عنصر عشق اور عقل کی معرکہ آرائی ہے اور اقبال نے ہمیشہ عشق کی برتری کا اظہار ہے۔
۳۔ فلسفہ خودی کا ایک اور عنصر خیر و شر کی کشمکش ہے جو کائنات میں ہر آن جاری ہے۔
۴۔ علامہؒ فلسفہ خودی میں زندگی کی جہد مسلسل کو بھی ایک عنصر خیال کرتے ہیں۔
۵۔ فلسفہ خودی کا ایک بہت بڑا عنصر حیاتِ جاودانی اور بقائے دوام کا تصور ہے۔

چنانچہ علامہ اقبال کے فلسفہ خودی سے آگہی کیلئے ضروری ہے کہ نصاب میں کلام اقبال کے وہ حصے شامل کیے جائیں جو آدمی کو خود شناسی اور خدا شناسی کا درس دیتے ہوں۔ خودی کی تحریک کا اثر تھا کہ مسلمانان ہند آزادی کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اقبال نے ان کو عزم و ہمت اور یقین کا درس دیا:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں[22]

**خلاصۂ بحث**

مندرجہ بالا بحث کو سمیٹتے ہوئے خودی کا تصور اقبال غیرت و حمیت کے معنوں میں بیان کرتے ہیں اور خودی کا تصور اقبال کی شاعری کا بنیادی تصور ہے جس کے بغیر ہم اقبال کی شاعری کا تصور بھی نہیں کر سکتے یہ اقبال کے فلسفہ حیات کی بنیادی اینٹ ہے خودی کا لفظ اقبال نے غرور کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا مفہوم احساس نفس یا اپنی ذات کا تعین ہے یہ ایک چیز یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ ہے، جس کے بارے میں احادیث میں بھی موجود ہے۔ یوں سمجھ لیجے کہ اقبال ہمیں اپنی ذات کے عرفان کا جو درس دے رہے ہیں وہ دراصل اپنے رب کو پہچاننے کی تلقین کا دوسرا نام ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

## References


[1] Allāma Muhammad Iqbāl, *Isrār-e-khūdī* (Lahore: 1973), 1.
[2] Azīz Ahmad, *Islamic Culture in the Indian Environment* (London: 1991), 123.
[3] Dr. Syed Abdullah, Iqbāl kī khūdi:Soofīon kī beykhūdī, In: Iqbal *Masā'yl-o-Mubāḥis* (Lahore: Iqbal Acadmy, Pakistan, 2007), 159.
[4] Muhammad Iqbāl, *Kulliyāt-e-Iqbāl* (lahore: National Book Foundation, 1999), 287.
[5] Iqbāl, *Kulliyāt-e-Iqbāl*, 287.
[6] Iqbāl, *Kulliyāt-e-Iqbāl*, 231.
[7] Iqbāl, *Kulliyāt-e-Iqbāl*, 455-456.
[8] Iqbāl, *Kulliyāt-e-Iqbāl*, 527.
[9] Iqbāl, *Kulliyāt-e-Iqbāl*, 589.
[10] Dr. Iftikhār Ahmad Siddīqī, *Fāroog-e-Iqbāl* (Lahore: Iqbal Acadmy Pakistan,1996), 120.
[11] Iqbal, *Kulliyāt-e-Iqbāl*, 372.
[12] Abd al-Salām Nadvī, *Iqbāl-e-kāmil* (Ā'zam Garh: Matba Ma'āraf, 1978), 315.
[13] Khalīfah Abd al-Hakīm, Nietzshe and Iqbāl, In: *Urdū Iqbāl Number* (Dehli: Anjuman-e-Traqqī-e-Urdu Hind,1938), 101.
[14] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 456.
[15] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 368.
[16] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 421.
[17] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 460.
[18] Dr. Ābid Hussaīn, *Iqbāl kā Tasawwur-e-khūdī* (Lahore: Iqbāl Acadmy,1944), 16-17.
[19] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 420.
[20] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 444.
[21] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 484.
[22] Iqbāl, *kūlliyat-e-iqbal,* 301.